

حقیقت نفاق

از مولانا محمد غفران صاحب فیروز پوری

(۱)

قرآن حکیم کا طرز استدلال

زیر بحث عنوان میں غور کرنے سے پہلے ناظرین کے سامنے چند تمہیدی الفاظ کا عرض کرونا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن حکیم نے جن حقائق کا انکشاف یا اثبات کیا ہے۔ اس میں اہل منطق اور فلسفہ کی طرح تدقیقات عمیقہ سے کام نہیں لیا۔ جن کے سمجھنے اور ضبط کرنے کے لئے حیرت کی دایوں میں سرگرداں ہونا پڑے۔ بلکہ اسلام جیسے خود عین فطرت اور امر بخیر و نہی کا دوسرا نام ہے ایسے ہی اس کے دلائل و ثوابد بھی فطرتی اور تمام تر عالم ہستی سے ماخوذ ہیں۔ اور ساتھ ہی ایسے واضح اور جلی ہیں کہ ہر شخص ان کے واسطے درجہ ایمان اذعان تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ عقل کو انفعالات نفسانیہ سے مجرور کر کے تدبیر و فکر کرے۔

لہٰذا ترجمان قرآن میں مولانا آزاد نے کسی مقام پر فرمایا ہے کہ قرآن حقیقت کو حق سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ محض کسی ایک گوشہ کی حقیقت نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے بلکہ اصل کائنات کی ایک عالمگیر حقیقت ہے جہاں اصل تخلیق و تدوین حق اور قانون حق کا قیام ہے اس کا نام عدل و قسط بھی ہے عالم جسم و مادہ کا کوئی گوشہ و کچھو نہیں ہر گوشہ میں وجود تدوین، تعمیر، ایجاد، زندگی، بناؤ کی اصل یہی حقیقت عینی ہے حقیقت جب اعمال و افکار انسانی میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نام ایمان اور عمل صالح ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت ہے جس کی طرف ہدایت وحی بلاتی ہے ۱۲

لہٰذا قرآن حکیم نے عالم ہستی کی جن راہوں سے استدلال کیا ہے ان کو تین حصوں میں منضبط کیا جاسکتا ہے (الف) عالم نفس (ب) آیات کونیہ (ج) براہیہ علیہ یعنی انسان کی خود اپنی ہستی جو کچھ اس سے باہر ہے۔ اقوام ماضیہ کے احوال و خیالات ۱۳

۱۴ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم دلائل حق بیان کرنے کے بار بار تدبیر و فکر کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ سو رہیں میں نظر و فکر کی راہ چھوڑ کر تقلید کی اختیار کرنا یہ وہ عالمگیر گمراہی ہے جو ہم سابقہ کو قبول حق سے ملنے رہی۔ دراصل یہ بھی یہی بات۔ کیونکہ نظر و فکر کی جتنی گمراہیاں ہیں سب کا سرچشمہ تقلید ہی ہے۔

یہاں یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ جب قرآن کا مطالبہ غور و فکر کا ہے تقلید کا نہیں (بلکہ وہ اس کو عالمگیر گمراہی قرار دیتا ہے) تو جو شخص قرآن مجید کے مطالب پر غور و فکر نہیں کرتا وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا نیز جبکہ قرآن کے لئے کہ وحی الہی ہے تدبیر ضروری ہوا تو کیونکر یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ کسی مجتہد امام کی تحقیق میں تدبیر ضروری نہ ہو اور اہل علم پر لازم ہو کہ از روئے تقلید سرطاعت ختم کر دیں ۱۵

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے بیان کردہ دلائل وبراہین کو آیات بیانات اور آیات مفصلات سے تعبیر کیا۔
اب زیر بحث حقیقت پر غور کیجئے۔ اس کو قرآن حکیم نے تصریحات منطقیہ سے واضح نہیں کیا۔ بلکہ دوسری
حقائق کی طرح یہاں بھی فطری طرز بیان اختیار کیا کہ جس طرح عالم ہستی کے تمام گوشوں میں اصلاتین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں۔
یا انکو ہستی کی حالت ہوگی یا انسا کی حالت ہوگی۔ یا پھر دونوں کے درمیان کی حالت۔ خود اپنے وجود ہی
کو دیکھ لو یہاں تک کہ ہے یا موت یا پیلری ای طرح ایمان اور عمل کے دائرہ میں عقائد و اعمال کے لحاظ سے انسان کے
قلب و روح کی بھی تین ہی حالتیں ہیں۔

(ا) مستعد اور صالح قلوب۔ جو ہر اچھی بات کو پہچان کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ ان کو قرآن حکیم نے مومن اور احیاء کہا ہے۔

(ب) مفسد اور شریر قلوب۔ جنہیں ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے۔ کوئی سیدھی بات ان کے اندر نہیں اُترتی ہر بات کو سنتے ہی مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ ان کو قرآن حکیم نے کافر اور اموات سے تعبیر کیا ہے۔

(ج) درمیانی گروہ جو ظاہر قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت قبولیت کی روح ان کے اندر نہیں ہوتی۔ اس میں پہلے گروہ کی نہ تو مستعدیت اور صلاحیت ہی ہوتی ہے کہ جو بات مان لی۔ اس کو کما حقہ مان کر اس پر عمل کرے۔ اور نہ ہی دوسرے گروہ کی بیباکی و جرأت کہ یکسو ہو کر صاف صاف انکار کریں۔ یہ گروہ اگرچہ سمجھتا ہے کہ ایک راہ اختیار کر لی ہے لیکن فی الحقیقت دونوں راہوں میں سے کسی پر نہیں ہوتا۔ یہ منافق ہیں۔ اور ان کو قرآن حکیم نے نمر لفظ کہا ہے۔ ان تینوں حالتوں کا قرآن حکیم نے جابجا تذکرہ کیا ہے، فرمایا۔ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُوا مَاذَا آرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَهُدًى بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ۔۔۔ ترجمہ۔ جو ایمان لائے ہوئے ہیں۔ خواہ کچھ ہی ہو وہ تو یقین کریں گے کہ یہ مثال تو بہت ہی موقعہ کی ہے ان کے رب کی جانب سے امداد گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے سو چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ یونہی کہتے ہیں گے وہ کون مطلب ہوگا جس کا قصہ کیا ہوگا اللہ کے اس حقیر مثال سے گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بہتوں کو امداد ہدایت دیتا ہے بہتوں کو۔ اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ حکمی کرنے والوں کو۔

دیکھئے! یہاں مومنوں کی خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ حق بات سنتے ہی پہچان کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور کفار کی علامت یہ کہ حق کے سامنے سرنگوں ہونے کی بجائے انکار و تجرود اور سرکشی کرتے ہیں۔ اور حق کو صرف یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ آمَوَاتٌ غَيْرَ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّاتَ يُجْعَلُونَ۔ کہ مرنے والے ہیں۔ زندہ نہیں ہیں یعنی کافروں کی مثال مرنے والوں کی ہے کہ ان میں اصلاح کا حس و

شعور نہیں ہوتا۔ اور موتوں کی مثال زندگی کی ہے کہ ان میں ہر طرح کا احساس و شعور پایا جاتا ہے منافقین کے متعلق ارشاد فرمایا۔ **فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ قَرَّادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** مگر کانٹا ایکنڈ بون کہ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا اودمان کے لئے آخرت میں عذاب الیم ہے۔ کیونکہ جھوٹے بولا کرتے تھے۔ دوسری جگہ فرمایا **مَنْ بَيْنَ بَيْنٍ ذَالِكُ** کہ منافق ہمیشہ تذبذب میں رہتے ہیں کہ ان میں ایمان و عزم کی پختگی ہے اور نہ ہی انکار و خود کی حرارت ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ضلالت و ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تو اس کے سمجھنے میں علی العموم لوگوں نے غلطی کی ہے جس سے غیر مذاہب آریہ وغیرہ کو قرآن

حکیم پر اعتراض کرنے کا موقع ملا کہ جب ضلالت و ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور انسان مجبور محض اور مسلوب الاختیار ہے تو اعمالِ بد کی سزا کیسے اذکس قانون پر؟ ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ اعتراض قرآن حکیم کے اسلوب بیان کو سمجھنے پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے۔ مثلاً اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کی بجائے اپنے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ اور اسی پر اڑے رہتے ہیں۔

رفتہ رفتہ ان کی عقلیں مادی جاتی ہیں۔ اور سمجھ بالکل الٹی ہو جاتی ہے۔ کتنی ہی صاف بات کہی جائے سن کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو وہ اور زیادہ مخالفت کریں گے۔ قرآن حکیم اس حالت کو یوں تعبیر کر لگا کہ اللہ پاک نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس وہ سمجھتے نہیں۔ اب اس سے یہ سمجھنا حماقت ہوگی کہ خدا تعالیٰ آدمی کو بے عقلی اور گمراہی پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہاں پاک اور بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ لوگوں نے تقدیر کا مفہوم سمجھنے میں بھی اسی طرح کی غلطی کھائی ہے۔ یہ سمجھا ہے کہ انسان تقدیر کا قیدی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے ماتحتوں انجام پاتا ہے۔ اور اللہ پاک نے ہمارے اقبال و ادبار کو پہلے ہی سے لکھ رکھا ہے۔ جو کچھ ہونا ہے۔ اس نوشتہ کے مطابق ہو کر ہی رہے گا۔ خواہ ہم کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں!

مسلمانوں کا تنزل اور اس کا علاج اس تقدیر اور رضا بالقضا کے عقیدے سے مسلمانوں میں جاہلی

بہمانیت کی زندگی اختیار کر لی۔ ترغیب و ترہیب لعداٹ وغیرہ کے مسائل پر نوردے کر لوگوں کو دنیا سے نفرت دلائی جس کا اثر یہ ہوا کہ زہد و فقر کے مسائل ہی کو اسلام سمجھا گیا۔ اور اقتصادی و معاشرتی اھم مسائل اور جدید علوم و فنون سے مستفید ہونے کو دینداری اور سیاست سمجھ کر ان سے بائیکاٹ کیا گیا جس کی وجہ سے دوسروں کے محکوم ہو گئے۔

اب صورتِ حلیٰ یہ ہو گئی کہ ایک طرف تو کتاب و سنت کو تھوڑا کر بدعات و رسوم کا التزام اور آراء و اجتہادات کو واجبِ تقلید سمجھا گیا بلکہ سنت پر عمل کرنے کو انحراف عن الدین قرار دیا گیا۔ اور دوسری طرف اقتصادی و معاشرتی اصلاح اور جدید علوم و فنون سے بائیکاٹ کرنے کی وجہ سے دوسروں کے غلام بن گئے۔ مولانا حالی نے پہلی گمراہی کے متعلق لکھا ہے۔

۵

سداہل تحقیق کے دل میں بل ہے حدیثوں پہ چلنے میں دہیں کا خلل ہے
قتادوں پہ بالکل مدارِ عمل ہے ہر اک رائے قرآن کا لغمِ البدل ہے۔

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جب یہ جمود امت میں سرایت کر گیا اور مذہب کی سرخ شدہ صورت لوگوں کے سامنے رکھی تو اس موقع پر دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ مذہب ترقی سے مانع ہے۔ موجودہ زمانہ علم و سائنس کا زمانہ ہے۔ اسلام جیسے جمود پسند مذہب کو ساتھ لے کر ترقی فیہ ممکن ہے وغیرہ۔

نوجوانانِ ملت کے سامنے چونکہ اسلام کی صحیح تصویر موجود نہ تھی۔ وہ ان رسوم و بدعات اور رہبانی زندگی کو ہی مذہبِ اسلام خیال کرتے تھے۔ اس لئے دشمنوں کے یہ جملے سنتے ہی انہیں پورا یقین ہو گیا کہ واقعی یہ جمود ہے اور ترقی سے مانع ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تقلیدِ یورپ میں اسلام سے برگشتہ ہو کر داعیانِ مذہب و ملت پر اس تنزلی کا الزام رکھا۔ اور علمائے حق کے خلاف جنگ و پیکار میں مشغول ہو گئے۔

کسی نے قرآن حکیم کو اوراقِ کالیہ سے تعبیر کیا۔ اور کسی نے اسلافِ رحمہم اللہ پر حملے کئے اور کہا کہ پہلے سب گمراہ تھے۔ اسلام اور قرآن کو تیرہ سو سال سے کسی نے نہیں سمجھا۔ مولوی کا مذہب غلط ہے۔ ان کو ختم کر دینا چاہئے وغیرہ حالانکہ تعطل و جمود کا سبب نہ تو مولوی طبقہ تھا اور نہ ہی مذہب۔ کیونکہ مذہبِ اسلام تو ایک انقلابی تحریک ہے جس نے جمود یا طلل کے خلاف ہمیشہ جہاد کیا ہے اور قرآن نے ان لوگوں کو جو راجح کو تھوڑا کر آبا و اجداد کی رسوم قبیلہ پر مصر ہیں سغہاء اور حیوانوں سے بدتر کہا ہے وغیرہ۔ بلکہ اس تنزل کا حقیقی سبب یہی درویش اور جمود پسند حضرات تھے جنہوں نے کتاب و سنت کی بجائے بدعات کی ترویج کی اور قوم کو اقتصادی، معاشرتی ترقی سے روک کر انہی پر جمے رہنے کی تلقین کی اور موجودہ تنزل کو تقدیر کے حوالہ کر کے ان پر ہیر کرنے کو کہا۔

۷ اگر آپ مفصلاً یہ جانتا چاہتے ہیں کہ آج کل مسلمان شریک عقائد اور رسوم و بدعات میں مبتلا ہو کر کتاب و سنت سے درجہ مذہب کا صحیح سرچشمہ ہیسا کس قدر دور ہو چکے ہیں تو میرے محترم رفیق مدیرِ معاملہ کے مضمون کو جو ”احسانِ عظیم“ کے عنوان سے اسی رسالہ میں باقاً طالع ہو رہا ہے غور کے ساتھ دوبارہ مطالعہ کریں ۱۲

تقدیر کا مفہوم

اب قبل اس کے کہ میں اپنی بساط علمی کے مطابق اس تئزل کا علاج پیش کروں اس تقدیر

کے مفہوم کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔ تقدیر جبر نہیں کہ انسان اس کے سامنے مجبور محض ہو اور اس کا تسلط انسان پر اتنا ہو کہ سعی و عمل اس کے سامنے ہیج اور لا طائل ثابت ہو اگر ایسا ہی ہوتا تو قرآن نہ سعی و عمل کا حکم دیتا اور نہ ہی کَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا کا مژدہ سناتا، بلکہ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا اور اس کے لئے قوانین مقرر کئے جن کے ماتحت یہ سارے نظام چل رہا ہے پس یہ حکم و تدبیر اور اسباب و مسببات کا پورا نظام جو ان قوانین قدرت کے ماتحت چل رہا ہے اس کا نام قرآن نے تقدیر رکھا ہے (خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَكَهُ ثُمَّ يَرْجُئُهُ) اب ان قوانین قدرت کا جن کے غلط یا صحیح استعمال پر نفع نقصان مرتب ہوتا انسان کو کلی اختیار ہے کہ ان کا صحیح استعمال کر کے اپنی دنیاوی و دنیوی زندگی کامیاب بنائے یا غلط استعمال کر کے دنیاوی دولت اور آخرت میں عذاب کا سہی ہو بلکہ اللہ نے وحی و الہام کا سلسلہ قائم کر کے انسان کو اس نفع و نقصان سے آگاہ بھی فرما دیا ہے۔ اِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكَرًا وَاِمَّا كَفُورًا۔ تفصیل کا موقع نہیں اس مختصر مرقع کو سمجھ کر آپ جواب دیں کہ اس میں جبر اور سلب اختیار ہے؟ یا اختیار و ابتلاء؟ والسلام (باقی) ۱۲

حُبِّ نَبِی

از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جملانی

۱) جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے لوگوں کے سالانہ وظیفے مقرر کئے تو عام لوگوں کی طرح اپنے بیٹے عبد اللہ کا بھی دو ہزار مقرر کیا، اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کا پانچ ہزار۔ عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ آپ اسامہ کو مجھ پر فضیلت دے دی تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ اِنَّ اَسَامَةَ كَانَ اَحَبَّ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مِنْکَ اسامہ حضور پر نور کو تم سے زیادہ محبوب تھے (الاستیعاب) یہ تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی محمدؐ کو یاد رکھنے والے۔

۲) ثابت بن دحداحؓ سے تذکرہ میں بلیغ جملے نظر آتے ہیں کہ جب غزوہٴ احد میں مسلمان تتر بتر ہو گئے اور حضورؐ کی وفات کی خبر سن کر مضطرب ہو گئے۔ تو انہوں نے بلند آواز سے پکار کے کہا اِنَّ کَانَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَخِیٌّ لَا یَمُوتُ فَقَاتِلُوا عَنْ دِیْنِکُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُکُمْ (۱) یعنی اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے تو تم بھی اسی مشن کے لئے جان دو (یعنی صلی اللہ علیہ وسلم)